

علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی^{رح} (۱۹۲۳ء-۲۰۰۵ء)

صدیاں ہوتی ہیں، وقت کے ایک عظیم عالم (ابن تیمیہ) کی وفات پر دمشق کے میناروں سے آواز بلند ہوئی تھی: الصلاة علی ترجمان القرآن (ترجمان قرآن کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی)۔ ۲۳ جنوری ۲۰۰۵ء کو ہندوستان کو بھی حق تھا کہ اس کے گوشہ گوشہ سے بھی یہی آواز بلند ہوتی کہ وقت کے ابن تیمیہ، ترجمان قرآن و سنت، محدث عصر علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی نے اسی دن دنیا کو خیر باد کہا۔ ان کی وفات پر ایک عظیم علمی روایت کا خاتمہ ہوا۔ یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا کہ اس پر یوں ہی گزر جایا جائے، لیکن مسلمانان ہند اپنے علمی و فکری زوال و انحطاط کے جس مقام پر ہیں، وہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ کیا ہو گیا۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ ہم ایک عہد فراموش دور میں جی رہے ہیں جہاں پر ہر چیز کو بھلا دیا جاتا ہے، تاہم عوام تو عوام، علماء، ارباب مدارس، اسلامی تحریکوں اور اسلامی علوم کے طلبہ کا ایسے گہر نایاب اور متاع بے بہا کے بارے میں تجاہل، تغافل اور ناآشنائی کا یہ رویہ جس کا ایک عمومی مشاہدہ کیا گیا، ایک ملی المیہ اور ہماری علمی تاریخ کے ایک عبرت ناک باب سے کم نہیں۔ خصوصاً ایسے دور میں جہاں درباری مدعیان علم اور مختلف فرقوں، جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے قائدین پر زور سیمینار ہوتے ہیں اور اخباری شہرت رکھنے والے ہما و شاپر خصوصی گوشے اور نمبرات شائع کیے جاتے ہیں!!

خاندان: عہد اسلامی میں شمالی ہند میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان میں برہمنوں و راجپوتوں اور گوجروں سے نکلی ہوئی، بہت سی برادریاں بھی ہیں۔ انھی میں ایک چودھری برادری بھی ہے جن کا آبائی پیشہ کاشتکاری ہے۔ موضع توڑی ضلع غازی آباد میں سکونت پذیر اسی برادری کے ایک متوسط درجہ کے خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ آپ کے دادا ایک نیک دل اور سیدھے سادے دیندار کسان تھے جنہوں نے خود تو معمولی دینی تعلیم پائی تھی لیکن اپنے بچوں کو اچھی دینی و قرآنی تعلیم سے آراستہ دیکھنے کی بڑی تمنا اور آرزو تھی۔ والد حافظ بشیر احمد علاقہ کے انتہائی جید حافظ و قاری تھے جن کے حفظ کا دور دور تک شہرہ تھا۔ والدہ زہیدہ خاتون بھی نہایت عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ اوپر کے شجرہ کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ نہ خود مولانا نے کہیں تذکرہ کیا اور نہ وہ شجروں اور نسبتوں وغیرہ کے وہ قائل تھے کہ بقول امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد:

*ڈاکٹر فائز ٹیشن فار اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی 110025۔ ای میل: ghitreef1@yahoo.com

”اسلام نے ساری نسبتوں اور امتیازوں کو مٹا کر صرف اپنی ایک نسبت نوع انسانی کو عطا کی اور اس نسبت سے بڑھ کر اور کون سی نسبت ہو سکتی ہے جس کی ایک مسلمان کو تلاش ہو؟ انسان کے لیے معیار شرف جو ہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایت یا رینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل۔ ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہمارے نسب سے ہمارے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں! ارباب ہمت نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے۔“ (تذکرہ صفحہ ۲۶)

تعلیم و تربیت: مولانا شبیر احمد ازہر نے کم سنی میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور ۱۷، ۱۸ سال کی عمر میں ہی علوم دینیہ کے اکتساب سے فارغ ہو گئے تھے۔ اس وقت کے مروجہ درس نظامی کے پورے کورس، جو ۲۴ سال کو محیط ہوتا تھا، کی تکمیل انھوں نے صرف ۵ سال میں کر لی تھی۔ ان کے خاص استاد مولانا شاہ اختر خان امر وہوی تھے جن کے خاص استاد کا نام بھی شبیر احمد تھا اور جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے شاگرد بھی تھے۔ شاہ اختر خان نے ان کو پورا قرآن صرنی و نحوی ترکیب کے ساتھ پڑھایا اور حدیث و فقہ کی منتخب کتابیں خصوصی طور پر پڑھائیں۔ اپنے اس شاگرد پر ان کی خصوصی نظر عنایت تھی۔ وہ اپنے اور شاگرد دونوں کی مناسبت سے کہا کرتے کہ ”شبیر سے لیا اور شبیر کو دے دیا“۔ مروجہ علوم کی تکمیل شاہ اختر خان صاحب سے کرنے کے بعد انھی کی ایما پر جامعہ تعلیم الدین ڈھانہیل گجرات تدریس کے لیے جانا ہوا۔ وہاں انتہائی کم عمری کے باوجود اونچے درجوں کی کتابیں پڑھائیں۔ کچھ عرصہ بعد شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ہندوستان آئے اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث و صدر مدرس بنائے گئے تو استاد کے اشارہ پر ڈھانہیل سے لوٹے اور دیوبند سے دورہ حدیث کیا۔ وہاں خاص اساتذہ میں شیخ الادب مولانا اعجاز علی امر وہوی، مولانا فخر الحسن اور حضرت مدنی تھے۔

تدریسی خدمات: دیوبند سے سند فضیلت کے حصول کے بعد آپ نے مختلف مدارس اور اداروں میں علوم اسلامیہ کی تعلیم و تدریس کا آغاز کیا اور تقریباً ۵۷ سال کی عمر ہونے تک ہندوستان کے بڑے اور اہم مدارس میں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۳۰ سال سے زائد عرصہ تک صحیح بخاری پڑھائی۔ ان مدارس اور اداروں میں جامعہ تعلیم الدین ڈھانہیل، جامعہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ الرشاد اعظم گڑھ، مدرسۃ الاصلاح سرانے میر اعظم گڑھ، ریاض العلوم دہلی، جامعہ امدادیہ مراد آباد، نور الاسلام صدر میرٹھ، جامعہ ندوۃ السنہ کیرالا اور جامعۃ الصالحات رامپور، مدرسہ عربیہ چلہ امر وہہ اور دوسرے بہتیرے مدارس اور ادارے شامل ہیں۔ علوم اسلامیہ، قرآن و حدیث، تفسیر، اصول، فقہ، اصول فقہ، فلسفہ و منطق اور ادب عربی، بلاغت اور علم عروض میں بھی زبردست تبحر حاصل تھا۔ ساتھ ہی طب یونانی، ہنوت، گھڑ سواری و شمشیر زنی میں بھی انھیں مہارت و حدائق تامل حاصل تھی۔ یادداشت اور قوت استحضار اتنی تھی کہ جو چیزیں ۶۰، ۵۰ سال پہلے پڑھی تھیں، وہ بلا کتاب دیکھے پڑھا دیا کرتے تھے۔ ابتدائی درجوں کی تمام کتابیں انھوں نے خود رقم کو پڑھائیں، چنانچہ ان کے اس کمال کا خوب تجربہ ہوا۔ یوں تو تمام علوم کا استحضار تھا لیکن علوم قرآن اور علوم سنت سے خصوصی شغف تھا۔ یہی دونوں زندگی بھر اوڑھنا بچھونا رہے۔

علمی خدمات: اردو عربی اور فارسی لکھنے اور بولنے کی زبردست صلاحیت تھی۔ عربی وارد و بے حد روانی سے اور بے تکان لکھتے چلے جاتے۔ انھوں نے زندگی کے آخری دن تک لکھا۔ ان کے گہر بار قلم سے کتاب و سنت کے علوم سے

متعلق درج ذیل شاہکار کتابیں نکلیں:

- ۱۔ تفسیر مفتاح القرآن مکمل اردو جس کے سورہ آل عمران تک صرف ۶۱ اجزا بھی تک طبع ہوئے ہیں، باقی مسودات کی شکل میں ہیں۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خصوصیت تفسیری روایات پر تحقیقی کلام ہے۔
- ۲۔ الکلم الطیب (قرآنی ڈکشنری)۔ اس سے قبل میرٹھ کے مولانا قاضی زین العابدین مرحوم کے ساتھ ایک ”قاموس القرآن“ کوئی ۶۰ برس پہلے بھی ترتیب دیا تھا۔
- ۳۔ مفتاح القرآن (عربی) سورہ فاتحہ طبع ہوئی، آل عمران تک غیر مطبوعہ ہے۔
- ۴۔ کلمات المثنائی (مفردات القرآن) نا تمام
- ۵۔ قرآن کی جہتیں۔ (وفات کے وقت تک اس پر کام کر رہے تھے)
- ۶۔ تحفۃ القاری بشرح صحیح البخاری عربی مکمل (۱۹ جلدیں)
- ۷۔ شرح مسند احمد بن حنبل اردو (۱۶ جلدیں)
- ۸۔ اقوام المسالک شرح مؤطا مالک (اردو ۶ جلد، نا تمام)
- ۹۔ بخاری کا تحقیقی مطالعہ (بعض احادیث کی تحقیق و تنقید) ۳ اجزا
- ۱۰۔ صحیح مسلم کا تحقیقی مطالعہ (۳ اجزا) نا تمام
- ۱۱۔ تحقیق مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و واقعہ حرہ۔
- ۱۲۔ حدیث الافک العظیم (اردو میں تفسیر سورہ نور کے نام سے طبع ہوئی) عربی غیر مطبوع ہے۔
- ۱۳۔ احادیث دجال کا تحقیقی مطالعہ (ظہور مہدی، خروج دجال اور نزول مسیح کی تحقیق)
- ۱۴۔ حدود اللہ (تا وفات زیر تصنیف تھی)۔

شخصی احوال و اوصاف: نوخیزی و نوجوانی کی عمر بڑے جوش و ولولہ کی اور مجاہدانہ تھی۔ صحت نہایت قابل رشک، گھڑ سواری، شمشیر زنی اور بنوٹ کے ماہر تھے اور شکار کھیلا کرتے۔ ۱۹۴۷ء کے مسلم کش فسادات میں (بطور خاص جب گڑھ مکتیسور جل رہا تھا) انھوں نے اپنی قوت بازو، جرأت و شجاعت اور ہمت سے کئی مسلم لڑکیوں کو شہر پسند ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھ سے بچایا تھا اور ان کے چنگل سے چھڑا کر لائے۔ اس کی پوری داستان اپنے ایک ناول غم میں رقم کی تھی (جو افسوس کہ ضائع ہو گیا)۔ اسی طرح انہوں نے عربی کے ایک تاریخی ناول واسلامہ کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا لیکن وہ بھی چھپ نہیں سکا۔

۷ سال کی عمر میں ہی موضع نیالہ (غازی آباد) میں شادی ہو گئی اور چار برس بعد پہلی بچی عمارہ کی آمد ہو مچو اب جن آپا عمارہ کہلاتی ہیں۔ دوسری بچی کی پیدائش میں اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو میرٹھ کے موضع رائدھہ میں ان کے ماموں چودھری توصیف احمد کی دختر نیک اختر نفیسہ بیگم (میری والدہ محترمہ) سے شادی ہوئی۔ مولانا کے بقیہ لڑکے لڑکیاں انھیں کے بطن سے تولد ہوئی ہیں جن میں ہم پانچ بھائی اور چار بہنیں ہیں۔

علمی امتیازات و خصائص: علوم عربیہ و اسلامیہ میں تبحر کے ساتھ ہی علامہ اردو، فارسی و عربی کے ایک بڑے

شاعر بھی تھے۔ انھوں نے جو مختصر دیوان چھوڑا ہے، اس میں اردو کے علامہ فارسی کی بھی بعض غزلیں ہیں۔ فن عروض کے امام تھے۔ اسی طرح نحو و صرف میں بھی بے نظیر مہارت پائی تھی۔ عام طور پر عربی مدارس میں ابتدا کے کئی سال نحو صرف کی تعلیم میں ضائع کیے جاتے ہیں۔ علامہ کا طریقہ تعلیم انتہائی آسان، شگفتہ اور عملی تھا۔ محض ایک سال میں کتابوں کے بجائے کاپیوں پر قواعد و مثالیں لکھوا کر وہ صرف و نحو کی ضروری تعلیم دے دیا کرتے۔ اپنے بہت سے تلامذہ کو انھوں نے اسی طرح تعلیم دی۔ خود راقم نے ان سے ایک سال پڑھ کر عربی چہارم میں داخلہ لے لیا تھا۔

علامہ میرٹھی کی ایک بڑی علمی خصوصیت، جو انھیں معاصرین و اقران سے ممتاز کرتی ہے، وہ علوم اسلامیہ اور بطور خاص قرآن و حدیث کا وسیع مطالعہ تھا اور وہ بھی اول درجے کے مصادر و مراجع سے۔ انھوں نے کبھی دوسرے اور تیسرے درجے کی کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ علوم قرآن سے متعلق ہمیشہ متقدمین کی نمائندہ اور بلند پایہ کتابیں اور تفسیریں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ ابن جریر طبری، ابن کثیر، بیضاوی، رازی و مختاری اور ابو حیان الاندلسی کا مطالعہ کرتے اور مؤخر الذکر کو زیادہ پسند کرتے۔ شاہان دہلی (شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین) کے ترجمے انھیں پسند تھے۔ نیز اردو کے سبھی متداول تراجم و تفسیر کو دیکھا تھا، لیکن سبھی کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔

حدیث کے باب میں، صحاح ستہ اور دیگر امہات کتب پر گہری نگاہ تھی، رجال کے دفتر ازبر تھے۔ مؤطا، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، داری، مسند احمد و بیہقی فتح الباری و تہذیب التہذیب وغیرہ مسلسل مطالعہ میں رہیں۔ ساتھ ہی معاصرین کی چیزیں بھی دیکھتے رہتے۔ شرح مسند احمد بن حنبل کی تصنیف شروع کی تو مولانا عبداللہ رحمانی مبارک پوری شارح مشکوٰۃ اور علامہ حبیب الرحمن اعظمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ بخاری پر انتہائی گہری نظر تھی۔ اس کی جلالت قدر کے بارے میں خود لکھتے ہیں: ”کتاب اللہ قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری کے علاوہ مجھے کسی کتاب میں دلکشی محسوس نہیں ہوتی۔ یہ میرا چالیس سالہ مستقل احساس ہے۔“ (میرا مطالعہ، ص ۱۹۰، مرکزی مکتبہ اسلامی)

فقہ میں بھی یہی حال تھا۔ بطور خاص فقہ حنفی کے امہات کا گہرا استحضار تھا، اس لیے بدایۃ المجتہد سے خوش نہ تھے کہ صاحب بدایۃ نے حنفی نقطہ نظر پیش کرنے میں غلطیاں کی ہیں۔ اسی طرح متاخرین و معاصرین علما کی چیزیں ان کے نزدیک غیر معیاری تھیں۔ علم فقہ پر زبردست گرفت اور مجتہدانہ نظر کے باوجود ان کی دلچسپی اصل میدان قرآن و حدیث اور ان سے متعلقہ علوم تھے جس کو اپنے ایک شعر میں یوں تعبیر کیا ہے:

جز کلام یار ہر تقریر بارگوش ہے جز رخ جانان کوئی منظر نہیں بھاتا مجھے

علمی زندگی کے تین دور: راقم کے خیال میں علامہ کی علمی زندگی کو تین ادوار میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلے دور میں وہ فقہائے حنفیہ کے خوشہ چیں ہیں، لیکن نصوص کے راست مطالعہ و تحقیق اور تطبیق و ترجیح کے بعد اگر دوسرے نتیجے پر پہنچے ہیں تو پورے اعتماد اور جرأت کے ساتھ ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں اور دوسرے مسالک کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی ”اقوم المسالک الی مؤطا امام مالک“ اس کی بین مثال ہے، البتہ حدیث کے مسلسل و تحقیق نے انھیں تقلید جلد سے دور کر دیا اور کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے سلفیت یا عدم تقلید کی طرف قدم بڑھائے۔ رفع الیدین، طلاق ثلاثا

اور عبادات کے زیادہ تر زماعی مسائل میں اخیر تک ان کی رائے محدثین کے مسلک سے قریب تر رہی ہے۔ انہوں نے خبر واحد کی ظنیت کے بارے میں فقہاء کے نظریہ کا علمی تعاقب کیا۔ (ملاحظہ ہو رسالہ: تقریب المآء مولیٰ فی حدیث الرسول بر نہایہ تحقیق شرح مند ابوبکر صدیقی صفحہ ۱۹ تا ۵۲) اخیر تک ان یہی قطع تحقیق تھی کہ خبر واحد اگر صحیح ثابت ہے تو قطعی الدلالت ہوتی ہے۔ یہ زندگی کا دوسرا دور تھا۔ تیسرا دور وہ ہے جب انہوں نے علوم حدیث پر بے مثال تبصر حاصل کر لیا، علم الرجال کا وسیع مطالعہ کیا اور قرآن پاک کے مسلسل تحقیقی مطالعہ و تدبر نے فکر و نظر میں زبردست بصیرت پیدا کر دی تھی۔ اب انہوں نے روایت و درایت کے لحاظ سے ذخیرہ حدیث پر گہری نظر ڈالی، ایک ایک حدیث کو پرکھا، جانچا، مثال کو تائیا، مطاعن کو دیکھا حتیٰ کہ خود اس فن پر ایک سند اور مرجع بن گئے۔

نقد حدیث: کتب حدیث میں حدیث کی سب سے اہم کتاب صحیح بخاری کو انہوں نے سب سے زیادہ پڑھا اور پڑھایا۔ قرآن کے بعد یہی کتاب انہیں سب سے زیادہ محبوب تھی، لیکن اس کے سلسلہ میں علما کا جو ایک غیر علمی اور خالص اندھی تقلید کا رویہ ہے کہ ”بخاری میں جو کچھ ہے، وہ سب صحیح ہے اور اس پر تنقید نہیں کی جاسکتی“ اس سے انہیں ذرا بھی اتفاق نہ تھا۔ بخاری و مسلم کی علمی عظمت و جلالت قدر کے پورے اعتراف کے باوجود ان کی سوچ صحیح اور تحقیقی رائے یہ تھی کہ ان میں بھی متعدد کمزور اور غلط روایتیں جگہ جگہ پائی ہیں۔ اس رائے کا انہوں نے نہایت جرات سے اظہار بھی کیا، چنانچہ اپنی ”تختہ القاری“ میں تفصیل سے ان روایات پر محدثانہ کلام کیا ہے اور ان تحقیقات کا خلاصہ ”بخاری کا مطالعہ“ (۱۳/۱) میں اردو زبان میں پیش کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں نام نہاد اجماع یا جمہور کے اتفاق کی انہوں نے کوئی پروا نہیں کی اور اسی وجہ سے بعض علمی طور پر کوتاہ قدر اور متعصب اہل حدیث علما، علامہ کو بھی منکرین حدیث کی صف میں لے جا کر کھڑا کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ ایسے ہی کم نظروں اور کم علموں کے لیے کہا گیا ہے کہ شعر من ہمدرد کے برد۔

زندگی کے تیسرے دور میں علامہ کا حاصل مطالعہ یہ تھا کہ اکثر اختلافی مسائل میں فقہائے امصار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت و امامت بدرجہا فائق ہے۔ ان کی رائے محدثین کے مسلک کے مقابلہ میں زیادہ لائق ترجیح ہے۔ اخیر کی تحریروں میں یہ رجحان صاف محسوس کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ فقہائے حنفیہ کی تقلید جامد کرنے لگے تھے، بلکہ متعدد مسائل میں ان سے اختلاف کیا ہے۔

ذوق اجتہاد: کتاب و سنت کے مسلسل تحقیقی مطالعہ نے ان کے اندر اجتہادی بصیرت پیدا کی۔ انہوں نے متعدد مسائل میں جمہور سے کھلا ہوا اختلاف کیا۔ قرأت سبعہ کا مسئلہ، اجماع کا ثبوت، نوح کا مسئلہ، تحویل قبلہ، واقعہ اقب، خبر واحد کی قطعیت کا مسئلہ اور اس کے علاوہ سینکڑوں احادیث اور آیات کی تشریح و توضیح میں وہ جمہور سے بالکل الگ رائے رکھتے ہیں اور ان کا جرأت کے ساتھ اظہار بھی کیا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ متاخرین میں ان کے تفردات سب سے زیادہ ہیں تو غالباً بے جا نہ ہوگا نہ اس میں کوئی مبالغہ ہوگا۔ یہ تفردات یا اجتہادی رائیں دراصل ان کی دراک، وسعت مطالعہ، تخلیقی ذہن، فکری شادابی، حاضر دماغی، علوم کے استحضار اور اعتماد ذاتی کی پیداوار ہیں۔

مسائل کے سلسلہ میں ان کی نظر جزئیات سے زیادہ کلیات پر رہتی تھی۔ فقہی نقطہ نظر میں وسعت تھی۔ ہر حال میں کسی ایک مسلک کی تقلید و تنقید کو ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ علمی اختلاف و تحقیق ان کی نظر میں علما کی متواتر چیز

تھی۔ چنانچہ انھوں نے محدثین کی راہوں اور فقہاء کے اجتہادات سے خوب خوب اختلاف کیا ہے۔ فقہاء حدود سے محدود معنی لیتے ہیں۔ علامہ نے اس کو پوری شریعت کے مترادف قرار دیا ہے اور اسی تصور پر ان کی کتاب حدود اللہ مبنی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشاہرات کے سلسلہ میں ان کی رائے جمہور سے الگ ہے۔ مروان، یزید اور حجاج بن یوسف ثقفی کے بارے میں بھی ان کی تحقیق الگ تھی۔ وہ ان حضرات کے اقدامات کو کسی حد تک جواز کی حد میں داخل سمجھتے تھے۔ شیعیت کو وہ اسلام کا سب سے بڑا داخلی انحراف سمجھتے تھے۔ مولانا مودودی کی کتاب خلافت و ملوکیت سے مطمئن نہ تھے بلکہ اس مسئلہ میں ان کا نقطہ نظر ٹھیک وہی تھا جو امام ابن تیمیہ اور صاحب العوام من القواصم قاضی ابن العربی کا ہے۔

شیدائے قرآن: علامہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی بڑی قدر کرتے تھے، ضیاع وقت سے انھیں بڑی نفرت تھی۔ سفر میں ہوں، حضر میں، شہر میں ہوں یا گاؤں میں، بس ہر وقت مطالعہ غور و فکر، ہر وقت کچھ نہ کچھ تحریر۔ لائٹ موجود ہے تو بہتر، نہ آ رہی ہو تو لائٹن کی روشنی کام آئے گی۔ سفر میں زیادہ وقت تلاوت قرآن میں گزارتے، مجلسوں اور جلسوں جلوسوں سے حتیٰ کہ لوگوں کے زیادہ خلا ملا سے بھی وحشت ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث اور قرآنیات پر اتنے بڑے بڑے کام انجام دے دیے جو بڑی بڑی اکیڈمیوں اور اداروں کے کرنے کے ہیں۔ ٹرین سے سفر کر رہے ہیں یا بس سے کہیں جا رہے ہیں تو بے تکلی اور فضول باتوں کی بجائے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ ان کی تلاوت قرآن نری تلاوت نہیں، تدبر کی تلاوت ہوتی تھی۔ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر مستقل پڑھتے رہتے تھے۔ تلاوت کے دوران اکثر آنکھوں سے آنسو نکلتے۔ یہی نماز میں قراءت کے وقت ہوتا تھا۔ قرآن ان کے لیے اصل مصدر و مرجع تھا۔ تمام علوم اسلامیہ میں وہ قرآن ہی کو حکم بناتے اور اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

نمازوں کے بعد دیر تک مسنون اور اذکار کا اہتمام ہمیشہ رہا۔ جہاں رہتے اور جس کمرے میں بیٹھتے، وہ صبح سے شام تک قال اللہ وقال الرسول کے ترانوں اور تلاوت قرآن کے زمزموں سے گونجا کرتی۔ ان کی نوجوانی کے ایام میں ذرائع مواصلات محدود تھے۔ اس وقت گھوڑے سے یا پیدل سفر کرتے اور دوران سفر بڑی سے بڑی مسافت تلاوت قرآن میں طے کر لیتے۔ ہر رمضان المبارک میں کئی کئی قرآن ختم کرتے۔ طریقہ یہ ہوتا کہ عشا کے بعد تراویح میں الگ قرآن پڑھتے، تہجد میں الگ۔ دن کو حافظ عبدالحق صاحب (رادھنہ گاؤں کی جامع مسجد کے امام اور ہمارے حفظ قرآن کے استاد) کو مستقل کئی کئی پارے سنایا کرتے۔ زندگی کے آخری ایام تک حافظ قابل رشک رہا۔ قرآن انتہائی پختہ یاد رہا اور اسی شان سے اس کی تلاوت جاری رہی حتیٰ کہ وفات کے وقت بھی قرآن کی تلاوت دیر تک کرتے رہے تھے۔

شخصیت پرستی سے اجتناب: راقم نے اپنے شعور کے بعد تقریباً ۲۰ سالوں سے انھیں مسلسل دیکھا اور برتا ہے۔ مسلمانوں میں شخصیت پرستی ایک مرض کی طرح پھیل گئی ہے۔ مختلف مکاتب فکر، فقہی مسالک، جماعتیں اور تنظیمیں وغیرہ مختلف شخصیتوں کی اسیر ہیں اور انھی کی عینک سے دین کو دیکھتی اور سمجھتی اور سمجھاتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو سبھی نے پس پشت ڈال رکھا ہے کہ انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال (یہ دیکھو کہ کیا کہا، یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) لیکن والد صاحب رحمہ اللہ علیہ کے متعلق یہ عاجز پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ شخصیت پرستی کے مرضی سے

اللہ نے انہیں پورے طور پر محفوظ رکھا تھا۔ ماضی کی طرح اس صدی میں بڑی بڑی شخصیات ہوئی ہیں، لیکن والد صاحب علوم میں رسوخ کے اس درجہ پر تھے کہ ماضی و حال کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے انہیں مرعوب نہیں دیکھا۔ اپنے اساتذہ کا ذکر احترام سے کرتے، لیکن دو استادوں مولانا اختر شاہ خان امر و ہوی اور مولانا حسین احمد مدنی کا تذکرہ بڑے ہی احترام کے ساتھ کرتے۔ انہی دونوں سے زیادہ متاثر بھی رہے۔ ماضی قریب کے علما میں مولانا حمید الدین فراہی سے بہت مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کا ذکر بلند کلمات میں کرتے کہ برصغیر میں قرآن پر براہ راست غور و فکر اور اکتساب کی مبارک فضا کا آغاز انھی سے ہوا اس چیز کو بہت بڑا کارنامہ قرار دیتے تھے۔ قدیم مفسرین میں ابو حیان اندلسی کو زیادہ پسند کرتے اور طالبان قرآن کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتے۔ قرآن سے امت کی دوری کا بڑا سبب اسرائیلیات کے رواج، تصوف کی خرافات کے ساتھ واعظوں کی داستان گوئی اور راویان حدیث کی روایت بازی کو قرار دیتے تھے۔ ماضی کے علما و ائمہ میں سب سے زیادہ قائل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے تھے بلکہ یہ تک فرماتے کہ امامت کے حقیقی مصداق صرف ابو حنیفہ ہیں۔ تاہم متاخرین حنفیہ پر خوب تنقیدیں بھی کی ہیں۔

شان قلندری: علامہ ایک مفلوک الحال گھرانہ میں پلے بڑھے، لیکن ابتدا ہی سے غیرت، توکل، خودداری اور قلندری کی شان تھی جس میں زندگی بھر فرق نہیں آنے دیا۔ جب نئے نئے بڑھ کر وطن واپس آئے تو بعض رشتہ داروں اور احباب کے کہنے پر لالیانہ گاؤں میں ایک مدرسہ ازہر العلوم کھولا۔ کچھ عرصہ بعد ایک مسودہ (بیان اللسان) میرٹھ کے قاضی زین العابدین گو فروخت کر کے ۱۹۵۰ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ کلمہ حق کہنے اور غلط کو غلط بتانے میں انتہائی بے باکی اور جرأت کی دولت سے مالا مال تھے۔ اسی دوران علماء دیوبند کا ایک حلقہ اور ان کے مسٹر شہین مولانا مودودی اور جماعت اسلامی پر ناروا قسم کی تنقیدیں کرنے اور گمراہ پروپیگنڈے میں مشغول تھے، لیکن مولانا نے نہ صرف یہ کہ اپنے استادوں اور مشائخ سے اس معاملہ میں کھل کر اختلاف کیا بلکہ بہت سی چیزوں میں پوری جرأت و قوت کے ساتھ جماعت اور مولانا مودودی کی حمایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاقہ کے بعض فتنہ باز مولویوں اور پیروں نے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا دیا اور انہیں ”مودودیا“ مشہور کر دیا۔ لوگوں نے مدرسہ کا تعاون چھوڑ دیا۔ حج سے واپس آنے کے بعد اس صورت حال کا سامنا ہوا تو مدرسہ کو خیر باد کہہ کر پھر سے درس و تدریس اختیار کر لی۔ حیدرآباد گئے، وہاں کریم نگر میں جماعت اسلامی کی نگرانی میں دارالہدیٰ کھولا گیا جس کے پہلے استاد آپ ہی تھے۔ وہیں جماعت سے باقاعدہ وابستگی ہوئی اور رکن بنے، لیکن خالص علمی افتاد طبع ہونے اور فکری اختلاف کی بنا پر جلد ہی اس تحریک کے جھمیوں سے نکل آئے۔ اس کے بعد مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب کے ساتھ مل کر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کی بناؤ تکوین میں بھی حصہ لیا۔

زندگی بھر مدارس اسلامیہ میں قلیل تنخواہ پر علوم اسلامیہ کی خدمت کی۔ کبھی سرمایہ داروں اور ثروت مندوں کا رخ نہیں کیا۔ کبھی جماعتوں، تنظیموں اور ملی اداروں کے ارباب حل و عقد کی جہ سائی اور کفش برداری کا تصور بھی حاشیہ خیال میں نہیں آیا۔ کتابیں لکھتے رہے، الماریوں میں مسودات کی شکل میں جمع ہوتی رہیں، لیکن یہ نہیں ہوا کہ کسی کی جھوٹی خوشامد یا جھوٹی تنقید کر کے اپنی تحریر چھپوانے کا سامان کریں، چنانچہ مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند (جو شیخ زادہ بھی ہیں) کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ تفسیر میں مودودی صاحب پر تنقید کی جائے تو طباعت کے مصارف ہم اٹھائیں

گے۔ جماعت اسلامی حلقہ آندھرا پردیش کا وفد یہ تجویز لے کر آیا کہ اپنی تفسیر سے مولانا مودودی پر تنقیدیں نکال دیں تو وہ اس کی اشاعت میں تعاون کریں گے، اس وفد کو بھی لوٹا دیا، مگر عدل و انصاف، امانت و دیانت اور علمی وقار وغیرت پر آنچ نہ آنے دی۔ مدارس کے ارباب اہتمام سے بھی اکثر تصادم ہو جاتا۔ وہ چاہتے کہ آپ ٹھیک تقلیدی مزاج کے ساتھ ہی کام کریں، لیکن علامہ شان قلندری بے نیازی کے ساتھ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے، نہ مرعوب ہوتے نہ اپنی کسی رائے سے دست بردار ہوتے۔ معاصرین میں یہ شان بے نیازی ان کا امتیاز تھی۔

تزکیہ و احسان: علامہ میرٹھی کے اس تذہ و شیوخ میں بیعت و اردات کی مستحکم روایت ہے، لیکن تحقیقی ذہن، شخصیت پرستی سے نفور اور قرآن سے شغف، بیان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی تھے، اس لیے جہاں تک راقم کو معلوم ہے، وہ کسی حلقہ اردات سے وابستہ سکندرد صوفی نہ تھے۔ البتہ ان کے جن احوال و مقامات کا مشاہدہ ۲۰ سالوں سے ہوتا رہا ہے، ان کو سامنے رکھ کر بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ذات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق، تقویٰ و پرہیزگاری، انابت اور رجوع الی اللہ کی جو کیفیت ان کو حاصل تھی، وہ موجودہ دور کے مروجہ حلقائے طریقت و مشیخت کے لوگوں کو شاید نصیب ہوتی ہو۔

تزکیہ و سلوک ”ہو ہو“ کرنے یا اللہ کی بے روح ضربیں لگانے، بزرگوں کے عرس اور ان کے مزاروں پر چلہ کشی کا نام نہیں، وہ تو دراصل عرفان ذات، جذبہ و شوق اور خدا کے لیے جذبات محبت سے عبارت ہے۔ اس کے لیے جذبہ شکر اور والہانہ عقیدت سے ہی سلوک کا جو ہر تیار ہوتا ہے۔ محبت کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جو بندہ کو اپنے خالق و مالک اور پالنہار سے ہوتی ہے اور اس محبت کے بغیر تو ایمان بھی معتبر نہیں۔ کسی شخص کے ظاہری احوال اور کاموں کو دیکھ کر اگر اس کے باطن کے بارے میں رائے قائم کرنا درست ہو تو مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حب مال، حب جاہ اور تنگ دلی سے ان کے قلب کو صاف کر دیا گیا تھا اور وہ ان شاء اللہ و من یوق شح نفسه فاولئک ہم المفلحون (جو لوگ نفس کی تنگی سے بچا دیے گئے، وہی کامیاب ہیں۔ تغابن: ۱۶) کے خاص مصداقوں میں سے ہوں گے۔ ان کے چہرے سے پاکیزگی جھلکتی اور پیشانی سے نور کی بارش ہوتی تھی۔

حادثہ وفات: ڈیڑھ سال قبل نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں گر گئے تھے۔ دو چار دن تو کچھ معلوم نہ ہوا، پھر دائیں ٹانگ میں درد محسوس ہوا جو بڑھتا ہی چلا گیا۔ جانچ کر انے پر معلوم ہوا کہ معمولی سافر کچر ہے۔ علاج ہوا لیکن فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا۔ آپریشن ہوا۔ اس کے بعد توقع تھی کہ ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی، لیکن آپریشن سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ والا معاملہ ہو گیا۔ اس بیماری میں تقریباً چودہ مہینے بستر پر رہے۔ حوائج ضروریہ بھی بستر پر کرائے جا رہے تھے۔ اس کے باوجود لکھنے پڑھنے کا کام جاری تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت و تدبر کے معمول میں کوئی کمی نہیں آئی۔

۳۲ جنوری ۲۰۰۵ء کو یکا یک ایک حادثہ پیش آیا کہ آپ کے دوسرے صاحبزادے (میرے برادر مکرم) جناب مولانا انظار الحق صاحب (بانی مدرسہ ازہر العلوم رادھنہ) اچانک علی الصبح حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ انہوں نے عمر عزیز کی صرف ۴۲ بہاریں دیکھیں۔ یہ تمام اولاد میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ شروع سے آخر تک تعلیم بھی آپ نے ہی دی تھی۔ اس حادثہ فاجعہ نے زیادہ صدمہ پہنچایا۔ عید کے دوسرے دن طبیعت ناساز ہوئی تھی۔

قرآن پڑھوا کر سنا، افاقہ ہو گیا۔ تیسرے دن بھی طبیعت خراب ہو گئی۔ پھر سورہ یٰسین پڑھوا کر سنی، طبیعت بحال ہو گئی۔ ۲۴ جنوری کو اچھی دھوپ نکلی تھی۔ سارے دن دھوپ میں بیٹھے ہشاش بشاش تھے۔ ”قرآن کی چھتیں“ پڑھوا کر سنی۔ پھر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ دوپہر میں مجھے طلب کر کے اپنے مسودات دکھائے۔ اپنا ذخیرہ کتب، صحاح اور ان کی شرحیں، تفسیر مفتاح القرآن اور تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری کے مسودے خود اٹھ کر اور الماریوں کے پاس جا جا کر دیکھے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ان کی آخری زیارت ہے۔ یہ کتابیں ہی کل زندگی کا سرمایہ تھیں۔ مغرب کے بعد لوگ ملاقات کے لیے آتے رہے، عشا کی نماز پڑھ کر روزمرہ کے اور دو وظائف پڑھے۔ پھر کچھ دیر کے لیے سو گئے اور اچھی نیند سوئے۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے آنکھ کھلی تو وضو کر کے تلاوت قرآن شروع کی اور ایک گھنٹہ تک کرتے رہے۔ پھر بڑے بھائی سے مدرسہ از ہر العلوم کے بارے میں باتیں کیں۔ دو بجے سے بعد تکلیف شروع ہوئی۔ دوا وغیرہ لی۔ مقامی ڈاکٹر کو بلا یا گیا۔ اس نے انجیکشن لگائے۔ اس کے بس دو تین منٹ بعد ہی روح نفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ پورے قبضہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ آفتاب علم غروب ہوا، وقت کا امام الحدیث چلا گیا۔

جا چکی خاموش ہو کر شمع ہوئے آسمان عالم بالا میں پایا ہے سراغ آرزو (ازہر)

متعدد علمی مجلات اور تحقیقی رسالوں نے آپ کی وفات پر تعزیتی نوٹ اور شذرے شائع کیے جن میں البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ، الرشاد اعظم گڑھ، ماہنامہ ترجمان جدید دارالعلوم (دہلی) اور اردو بک ریویو خاص ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ کی حیات اور فکر و فلسفہ پر منتخب کتابیں

- زندہ رود (علامہ اقبال کی مفصل سوانح حیات) از: ڈاکٹر جاوید اقبال [قیمت: ۹۰۰]
 - اقبال۔ تکمیلی دور از خرم علی شینق [صفحات: ۵۸۵۔ قیمت: ۳۲۵]
 - تجدید فکریات اسلام (انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ) مترجم: ڈاکٹر وحید عشرت [صفحات: ۲۹۰۔ قیمت: ۲۰۰]
 - خطبات اقبال نئے تناظر میں از: ڈاکٹر محمد سہیل عمر [صفحات: ۲۳۴۔ قیمت: ۱۵۰]
 - خطبات اقبال: تسہیل و تفہیم از: ڈاکٹر جاوید اقبال [صفحات: ۲۳۵۔ قیمت: ۲۵۰]
 - معارف خطبات اقبال از: ڈاکٹر محمد آصف اعوان [صفحات: ۳۰۴۔ قیمت: ۲۵۰]
 - اقبال کا تصور اجتہاد (مجموعہ مقالات) مرتب: ایوب صابر محمد سہیل عمر [صفحات: ۲۸۰۔ قیمت: ۲۰۰]
 - اقبال اور قرآن از: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان [صفحات: ۱۱۸۔ قیمت: ۴۰۰]
 - اقبال اور محبت رسول از: ڈاکٹر طاہر فاروقی [صفحات: ۲۴۷۔ قیمت: ۱۷۵]
 - اقبال دشمنی۔ ایک مطالعہ از: ڈاکٹر محمد ایوب صابر [صفحات: ۳۷۵۔ قیمت: ۱۷۰]
 - میاں ابرہم برسائل کہ آنجا از: ڈاکٹر محمد سہیل عمر احمد جاوید [صفحات: ۶۰۔ قیمت: ۵۰]
- خطبات اقبال پر سید سلیمان ندوی سے منسوب تنقید کا ناقدا نہ جائزہ
- _____ مکتبہ امام اہل سنت پر دستیاب ہیں _____